اور وہ اپنے علاج میں ماہر بھی تھے چنانچہ انھوں نے یہی کیا مگر اوپریشن کامیاب نہ رہا اور اسی میں وہ فوت ہو گئے۔

یہ واقعہ میں نے کچھ عرصہ قبل الاصابہ میں دیکھا تھا مگر اب مقالے کی ترتیب کے دوران بالکل ذہن میں نہیں آتا کہ کس صحابی کے حالات میں تھا اس لیے افسوس ہے کہ جلد اور صفحہ نمبر کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا، کوئی صاحب نظر اگر رہنمائی فرمائیں تو کرم ہو گا۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں ناکامی تو سوء تدبیر اور فیصلہ تقدیر کی وجہ سے ہوئی لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ یہ صحابی اوپریشن کے معاملے میں کتنے ماہر تھے اور انکو اپنے فن پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا علاج ممکن سمجھا، اس سے اس عہد میں ایسے بڑے بڑے اوپریشنوں کا عام طور پر پایا جانا معلوم ہوتا ہے۔

مسخ شدہ اعضاء کی اصلاح و تکمیل اور فوت شدہ اعضاء کے متبادل مصنوعی اعضاء کی تنصیب اور اس کے لیے نبوی ہدایات۔ یعنی پلاسٹک سرجری (PLASTIC SURGERY)

ہیں عہد رسالت میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی آپ کے علم میں لاکر اور کبھی خود آپ کے حکم سے مسخ شدہ اعضاء کی اصلاح و تکمیل کرائی، فوت شدہ اعضاء کے متبادل اعضاء نصب کرائے یا اسی قسم کی کاروائیاں اعضاء جسمانی میں کرائیں جن کو آجکل پلاسٹک سرجری کا نام دیا جاتا ہے۔ ان چیزوں کا ذکر حدیث و سیرت اور فقہ کی کتابوں میں منتشر طور پر مختلف مواقع کی مناسبت سے آتا رہتا ہے، ہم ان منتشر تنکوں کو چن چن کر ایک چھوٹا سا آشیانہ کاغذی بناکر آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جس سے عہد رسالت میں سرجری کی کیفیت کا اندازہ کرنے میں مدد ملے گی:

سونے کی ناک مسند احمد، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، صحیح ابن حبان، سنن ابی داؤد طیالسی، مشکل الآثار للطحاوی اور ابونعیم اصبہانی (پیدائش ۳۳۶ھ ۹۴۸ء وفات ۴۳۰ھ

۴۳۰ھ) کی حلیۃ الاولیاء میں عبدالرحمان بن طرفہ کی روایت سے یہ واقعہ مذکور ہے۔ بعد میں تبریزی کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ راوی مذکور عبدالرحمان کے دادا عرفجہ بن اسعد بن کرز التمیمی السعدی جو دور جاہلیت کے بڑے مشہور شہسواروں میں تھے اسلام سے قبل ایک جنگ میں جو یوم الکلاب[۹۸] کے نام سے مشہور ہے انکی ناک کٹ گئی تھی ان کے پوتے عبدالرحمان کا بیان ہے کہ انھوں نے چاندی کی ناک لگوالی بعد میں اسلام قبول کرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ذکر کیا کہ اس میں بدبو پیدا ہو گئی ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ سونے کی ناک بنوالو۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور خود انہی کا بیان ہے کہ اس میں پھر بدبو پیدا نہیں ہوئی۔[۹۹]

امام ابوجعفر طحاوی (وفات ۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ "عرفجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر کے سونے کی ناک لگوانے کی اس لیے اجازت چاہی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جو 'الصدأ' ایک قسم کا زنگ چاندی کو لگتا ہے جو اس قسم کے استعمال میں بدبو پیدا ہو جانے کا باعث ہوتا ہے وہ زنگ سونے کو نہیں لگتا ہے اور اسمیں بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔"[۱۰۰]

سونے سے دانتوں کی بندش

مشہور محدث سلیمان بن احمد الطبرانی (پیدائش ۲۶۰ھ/۸۷۳ء وفات ۳۶۰ھ/۹۷۱ء) معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ میرے والد کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

۹۸ھ کاف کے پیش سے اور لام بلا تشدید، یہ کوفے اور بصرے کے مابین ایک چشمہ تھا۔ اسلام سے قبل یہاں دو بڑی مشہور جنگیں ہوئی تھیں جو یوم الکلاب الاول، اور یوم الکلاب الثانی کے نام سے مشہور ہیں (علی قاری، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بہامش المشکوٰۃ ص۳۷۹ دہلی سنہ؟ والساعاتی، بلوغ الامانی ج ۱۷ ص۲۷۲ مصر ۱۳۷۵ھ و طاہر پٹنی، مجمع بحار الانوار ج ۳ ص۲۲۵ نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۳ھ)

۹۹ھ مشکوٰۃ المصابیح ص۳۷۹، الزیلعی، نصب الرایہ ج ۴ ص۲۳۶ (مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۷ھ) الطحاوی، مشکل الآثار ج ۲ ص۱۶۱ (حیدرآباد ۱۳۳۳ھ) ابن حجر، الاصابہ ج ۲ ص۴۶۷ رقم الترجمہ ۵۵۰۸ (مصر ۱۳۲۸ھ) الساعاتی، الفتح الربانی ج ۱۷ ص۲۷۲

۱۰۰ھ الطحاوی، مشکل الآثار ج ۲ ص۱۷۱

نے ان کو حکم دیا کہ ان کو سونے سے بندھوالو[20]

محدث عبدالباقی بن قانع بغدادی (پیدائش ۲۶۶ھ و ۸۸۰م وفات ۳۵۱ھ ۹۶۲ء) نے معجم الصحابہ میں اور بزار نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول رضی اللہ عنہ کا بیان خود اپنے بارے میں نقل کیا ہے کہ میرے سامنے کے دو دانت جنگ اُحد میں ٹوٹ گئے تھے تو مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں دانت سونے کے لگوانے کا حکم فرمایا تھا[21]

طبرانی نے معجم میں بیان کیا ہے کہ خادم رسولؐ حضرت انسؓ کے چند دانت سونے سے بندھے ہوئے تھے[22]

اسی طرح عبداللہ بن امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل کیا ہے کہ کوفہ کے گورنر مغیرہ بن عبداللہ کے دانت سونے سے بندھے ہوئے تھے۔ حدیث کے راوی حماد بن سلیمان نے امام ابراہیم بن اسود نخعی سے اس بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ فعل (یعنی سونے کا اس غرض سے مرد کے لیے استعمال) درست ہے یا نہیں؟ تو امام نخعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے[23]۔

امام طحاوی نے مغیرہ بن عبداللہ کا یہی واقعہ نقل کیا ہے مگر اس میں دانت بندھوانے کے بجائے "مُضَبَّب اسنانہ" کے الفاظ ہیں یعنی ان کے دانتوں پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا[24]

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں بہت سے اہل علم (صحابہ و تابعین) کے بارے میں یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے سونے سے اپنے دانتوں کو بندھوایا ہے[25]

---

[20] الزیلعی، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳۷ الہیثمی، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۰، الساعاتی، بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۳۔ بلوغ الامانی میں صحابی کا نام عبداللہ بن عمرو لکھا گیا ہے۔ یہ درست نہیں۔

[21] الزیلعی، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳۷۔ الہیثمی، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۰۔ الساعاتی، بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۳
نوٹ: نصب الرایہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول ہے یہ سہو ہے یہ واقعہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول کا ہے۔

[22] الہیثمی، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۰، الزیلعی، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳۷

[23] ہیثمی، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۰ و الساعاتی، الفتح الربانی ج ۱۷ ص ۲۴۲، الطحاوی، مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۷۱

[24] الطحاوی، مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۷۱ و ص ۱۷۲

[25] الساعاتی، بلوغ الامانی ج ۱۷ ص ۲۴۳

دانتوں پر سونے کا خول چڑھانا عبداللہ بن احمد بن حنبل نے المسند میں نقل کیا ہے کہ ابوالاشہب [illegible]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا۔[۱۰۵]

روایت کے الفاظ مُضَبَّبَ اَسْنَانَہ ہیں جس کا مفہوم لسان العرب، اور تاج العروس وغیرہ کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ الاحتواء علی الشئی، والقبض علیہ، یقال: اَضْبَبْتُ الشئی و ضَبَّبْتُہ: اخفاہ۔[۱۰۶] یعنی کسی چیز کو اپنے اندر سمو لینا اور اس پر حاوی ہو جانا اور یہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی چیز کسی چیز کو اپنے اندر چھپالے۔

طحاوی اور زیلعی نے اور کئی واقعات صحابہ و تابعین کے نقل کیے ہیں جنھوں نے اپنے دانتوں پر سونے کا خول چڑھوایا یا سونے سے ان کو بندھوایا ہے۔[۱۰۷]

اوپریشن کی غرض سے ممنوع مقامات کے بال کاٹنے کی اجازت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم کے جن حصّوں کے بال کاٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اگر اوپریشن کی غرض سے ان مقامات کے بال کاٹنے کی ضرورت ہو تو آپؐ نے صراحت کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ مثلاً سر کے تمام بال چھوڑ کر صرف گُدّی کے بال کاٹنے کی ممانعت ہے مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن حلق القفا الا للحجامۃ۔[۱۰۸] یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گُدّی کے بال کاٹنے کو منع فرمایا ہے مگر حجامت کی غرض سے ہو تو اجازت ہے۔ —————— (جاری)

---

۱۰۵ الزیلعی، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵۰، الفتح الربانی ج ۱۷ ص ۲۹۳

۱۰۶ الافریقی، لسان العرب ج ۱ ص ۵۴۱ (بیروت ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء) الزبیدی، تاج العروس ج ۳ ص ۲۳۱ (الکویت ۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء)

۱۰۷ نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۳۷، مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۱۵

۱۰۸ طبرانی فی الصغیر والاوسط۔ ہیثمی، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۹ (مصر ۱۳۵۳ھ)

عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں
محرکات، مسائل اور مقاصد

از: جناب ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، استاد شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۲)

اس سلسلے کا تیسرا سریہ خرار تھا جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے زیر کمان خرار نامی علاقے تک گیا تھا۔ واقدی کے بقول دوسری مہم کے ٹھیک ایک ماہ بعد ذی قعدہ ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء میں بھیجی گئی تھی[۴۵] مہم کی منزل ے علاقہ میں چشمہ جحفہ کے قریب تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے کہا تھا کہ ایک قریشی کارواں گذرنے والا ہے لہٰذا وہ خرار جائیں اور اس سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ وہ بیس[۲۰] یا اکیس[۲۱] پیادوں (راجل) کے ساتھ مہم پر نکلے۔ اور دن میں چھپتے اور رات کو سفر کرتے پانچویں صبح کو منزل پر پہنچے مگر قافلہ تجارت کچھ مدت پہلے (بالامس) گذر چکا تھا حضرت سعد کی طرف بیان منسوب ہے کہ اگر ممانعت نبوی نہ ہوتی تو وہ خرار سے آگے بڑھ کر قافلے کو جا لیتے۔[۴۶] ابن سعد کے بیان میں صرف اضافہ یہ ہے کہ اس سریہ میں بھی پرچم سفید تھا جس کے بردار حضرت مقداد بن عمرو بہرانی تھے۔[۴۷] ابن اسحاق اور ابن ہشام کے متحدہ بیان میں شرکاء مہم کی تعداد محض آٹھ بتائی ہے جو سب کے سب مہاجر تھے۔ اس کے مطابق خرار ارض حجاز میں تھا مسلمانوں کی ملاقات کسی کید (   ) سے نہیں ہوئی اس لیے وہ واپس لوٹ آئے۔[۴۸] اس بیان میں کسی قریشی کارواں کی طرف نہ تو اشارہ ہے نہ کوئی حوالہ۔ بلاذری نے واقدی کی روایت کی تلخیص کر دی ہے۔[۴۹]

یعقوبی نے ایک اہم اور دلچسپ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت سعد کی مہم نے خرار پہنچ کر پڑاؤ کیا تو اس نے بنو ضمرہ کے کچھ مویشی پکڑ لیے اور واپسی میں اپنے ساتھ مدینہ لاتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارے مویشی بنو ضمرہ کو لوٹا دیئے کیونکہ ان سے آپ کا دوستی (حلف) کا معاہدہ تھا۔(۱۰)
یعقوبی بھی کسی قریشی کارواں کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ طبری نے واقدی اور ابن سعد کی روایت بیان کی ہے۔ اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ کاروان قریش حضرت سعد کے خرار پہنچنے سے صرف ایک دن پہلے (قبل ذلک بیوم) نکلا تھا۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ طبری نے مسلمانوں کی تعداد پندرہ یا اکیس مہاجر پیادے بتائی ہے جبکہ قریشی کارواں کی عددی طاقت ساٹھ بتائی ہے۔(۱۱)

ماخذ میں سے ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی وغیرہ سے اس مہم کا قریشی کارواں کے خلاف بھیجا جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ واضح ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کم از کم قریشی کارواں پر چھاپہ مارنا نہ تھا بلکہ یعقوبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنو ضمرہ کا علاقہ تھا۔ غالباً ان سے گفت و شنید یا کسی قسم کا معاملہ طے کرنے کے لیے اسکو بھیجا گیا تھا۔ مسلمانوں نے غلطی سے ان کے بعض مویشی پکڑ لیے تو ان کو واپس کر دیا گیا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ بنو ضمرہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ حلف پہلے سے ہو چکا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب اور کہاں یہ معاہدہ ہوا تھا؟ اس کا ممکن اور قرین قیاس جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ معاہدہ حضرت عبیدہ کی مہم رابغ کے دوران ہوا ہوگا۔ بہرحال یہ حتمی ہے کہ یہ معاہدہ حضرت سعد کی مہم خرار سے پہلے تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

جہاں تک واقدی، ابن سعد، بلاذری اور طبری کی روایات کا تعلق ہے وہ واضح طور سے ایک قریشی کارواں کا ضرور ذکر کرتی ہیں۔ لیکن کیا اس سے یہ سمجھ لینا صحیح ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کارواں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ جدید مورخین نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ کسی طور سے بھی نہیں نکلتا۔ بلکہ اس کی تردید کے متعدد ثبوت ملتے ہیں۔ پہلا نکتہ اور ثبوت تو یہ ہے کہ ماخذ میں سے کسی نے بھی قریشی کارواں پر حملہ کرنا مقصود یا محرک نہیں بتایا ہے۔

پھر اگر چھاپہ مار اور لوٹ مار ہی مقصد تھا تو حضرت سعد کو خرار سے آگے بڑھنے سے کیوں روکا گیا تھا؟
بالخصوص یہ حقیقت بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ اگر ممانعت رسول اکرم سے نہ آتی تو وہ کارواں کو جالیتے۔ ظاہر
ہے کہ قرین قیاس تو یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے کہ کسی بھی طور سے قریشی کارواں
پر حملہ کرنا ہے۔ پھر جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کاروان قریش کے گذرنے
کا علم تھا اور غالباً تاریخ کا بھی۔ پھر آپ نے پیاری مہم پیادوں پر کیوں مشتمل بھیجی تھی جس نے سفر میں چار
قیمتی دن ضائع کر دیئے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر یہ مہم سواروں پر مشتمل ہوتی تو قافلے کے گذرنے
سے بہت پہلے (طبری کی روایت کے مطابق) ورنہ کچھ پہلے (دوسروں کی روایات کے مطابق) تو
ضرور اپنے مقام تک پہنچ گئی ہوتی۔ اس کے علاوہ دونوں مہموں یعنی فریقین کی عددی طاقت کا
معاملہ ہے۔ اس تیسری مہم میں دونوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ کیا دونوں فریق کم تعداد کرنے کی
مسابقت کر رہے تھے؟ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قریش کو اپنی تجارت کے لیے مدینہ کی طرف سے
کوئی خطرہ ابتک محسوس نہیں ہوا تھا تو جدید مؤرخین کے دعوے کے مطابق نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم تو پورے ہوش وحواس اور منصوبے کے ساتھ قریشی کارروانوں پر حملہ کرنا یا ان کو
مرعوب کرنا چاہ رہے تھے۔ بیس اکیس یا محض آٹھ پیادوں کے ساتھ تو یہ دونوں مقصد حاصل
نہیں ہو سکتے تھے۔ رات میں سفر کرنا اور دن میں چھپے رہنا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ
مقصد جو اس مہم کا ہو سکتا تھا وہ قریشی کارواں کے بارے میں خبریں اور معلومات فراہم کرنا تھا۔

واقدی اور ان کے طبقۂ فکر کے مورخین کے بقول ان تین "سرایا" کے بعد پے در پے
چار غزوات پیش آئے جن کی قیادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ ان میں سے پہلا غزوہ
ابوا یا ودان کہا جاتا ہے۔ واقدی کے بقول صفر ۲ھ / اگست ۶۲۳ء میں رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم ساٹھ سواروں کے ساتھ کاروان قریش کو روکنے کی غرض سے نکلے لیکن کسی کے کید
(لڑائی، مکر) سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ اسی غزوہ میں آپ نے کنانہ کے ایک خاندان بنو ضمرہ سے معاہدہ
(کتاب) کیا کہ نہ وہ آپ پر حملہ کریں اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں۔ معاہدہ لکھ کر آپ مدینہ

واپس آتے جہاں سے آپ کی غیر حاضری کی مدت پندرہ راتوں کی تھی[۵۲] ابن سعد نے اپنے استاد کی روایت پر کچھ اضافے کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس مہم میں علمبردار حضرت حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ اور مدینہ میں نائب رسول حضرت سعد بن عبادہ خزرجی تھے۔ دوسرے یہ کہ شرکاء مہم سب مہاجر تھے انصار میں کوئی انصاری نہ تھا۔ تیسرے یہ کہ یہ غزوۂ ابواء بھی کہلاتا اور غزوۂ ودان بھی۔ اور ان دونوں مقامات میں معض چھ میل کا فاصلہ تھا۔ چوتھے یہ کہ یہ پہلا غزوہ تھا۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یہ معاہدہ بنو ضمرہ کے اس زمانے کے سردار مخشی بن عمرو ضمری سے کیا تھا۔ چھٹے یہ کہ معاہدہ کی شرطیں یہ تھیں کہ نہ آپ بنو ضمرہ پر حملہ کریں گے اور نہ بنو ضمرہ آپ پر[۵۳]

ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اس غزوہ کو آپ کا پہلا غزوہ قرار دیا ہے اور اس کو تمام سرایا سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس کے مطابق آپ قریش اور بنو ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ارادے سے نکلے تھے اور اس غزوہ میں بنو ضمرہ نے اپنے مذکورہ بالا سردار کے ذریعہ آپ سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا اور بغیر کسی جنگ و جدال کے آپ مدینہ لوٹ آئے تھے۔[۵۴] بلاذری نے حسب دستور واقدی کی روایت کی تلخیص کر دی ہے۔[۵۵] جبکہ یعقوبی نے صرف ایک سطر میں آپ کے ودان جانے اور وہاں کسی کید (لڑائی) سے نہ ملنے پر مدینہ لوٹ آنے کو بیان کیا ہے۔[۵۶] طبری کا بیان واقدی، ابن سعد اور ابن اسحاق کے بیانات کا مجموعہ ہے۔

تمام روایات کو جانچنے پرکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور طبری کے نزدیک اس مہم میں آپ نے قریش اور بنو ضمرہ دونوں کو مقصود بنایا تھا۔ جبکہ واقدی، ابن سعد و بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نکلے تو آپ کاروان قریش کے لیے تھے مگر بعد میں آپ نے بنو ضمرہ سے معاہدۂ صلح کر لیا۔ یعقوبی کے یہاں مقصد مہم پر سکوت پایا جاتا ہے۔ اس مہم کے بارے میں پہلا اہم نکتہ یہ ہے کہ واقدی اور ان کے متبعین کے سوا اور کسی نے کسی کاروان قریش کا ذکر نہیں کیا ہے۔ خود ان مورخین کی روایات میں بھی کاروان کی مزید تفصیلات یا اشارے نہیں ملتے۔ وہ کہاں سے آرہا تھا کہاں جا رہا تھا، اس میں کتنے اشخاص تھے اور وہ کس کی قیادت میں جا رہے تھے؟ ان تمام سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھر اس کاروان کا کیا ہوا! محض قیاس کیا جا سکتا ہے

جیسا کہ اکثر جدید مورخین نے کیا ہے کہ وہ نقل کیا ہوگا۔ چونکہ قریش کا کارواں ہاتھ نہیں آیا تھا اس لیے آپ نے بطور مجبوری بنو ضمرہ سے صلح کا معاہدہ کرلیا۔ پھر ابن اسحاق وغیرہ کے اس تبصرہ کا کیا مطلب ہوگا کہ آپ قریش اور بنو ضمرہ دونوں کے بارے میں کوئی ارادہ لے کر نکلے تھے۔ اگر یہ قیاس کرلیا جائے کہ بنو ضمرہ نے لڑنے کے بجائے صلح و دوستی میں مصلحت دیکھی تھی اور آپ نے ان کے خواہشات و جذبات کے احترام میں ان کی دوستی کا ہاتھ تھام لیا تھا تو کیا اگر قریشی کارواں ہاتھ لگ جاتا اور وہ آپ سے صلح کا طالب ہوتا تو آپ کا کیا رویہ ہوتا؟ قیاس کہتا ہے کہ آپ ان سے بھی صلح کر لیتے۔ اگر ایسا تھا تو پھر کارواں پر حملہ کرنے کا منصوبہ کہاں رہ گیا؟ پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ بنو ضمرہ اور قریشی کارواں سے ملاقات کی صورت میں مکہ والے صلح سے انکار کر دیتے تو ظاہر ہے کہ آپ ان سے نبرد آزما ہوتے۔ تو کیا ساٹھ مسلمانوں کے ساتھ آپ بنو ضمرہ کے علاقے ہی میں ان سے یا ان کی اور قریشی محافظ فوج کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے۔ اور بصورت جنگ کامیابی کی توقع کرسکتے تھے۔ فوجی حکمت عملی کا ایک معمولی سا طالب علم بھی ببانگ دہل کہہ سکتا ہے کہ اتنی مختصر سی فوج کے ساتھ آپ دشمن کے علاقے میں ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے کے لیے نہیں نکلے تھے۔ اس لیے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا اصل مقصد بنو ضمرہ سے معاہدۂ صلح کرنا یا اس کی تجدید کرنا تھا۔ قریشی کارواں پر حملہ کرنا نہیں تھا۔

دوسرا غزوۂ بواط ابتدائی مہموں کے سلسلے کی پانچویں کڑی تھی۔ واقدی کے مطابق بواط ایک مقام تھا جو رضویٰ کے کنارے ذی خشب کے نواح میں واقع تھا اور مدینہ سے اس کا فاصلہ محض تین برد تھا۔ ربیع الاول ۲ھ / ستمبر ۶۲۳ء میں یعنی چوتھی مہم کے ایک ماہ کے اندر اندر آپ کارواں قریش کو روکنے کی غرض سے نکلے۔ اس بار کارواں مکہ میں سو قریشی تھے اور پندرہ سو اونٹ تھے۔ اور سالار کارواں امیہ بن خلف جمحی تھا۔ لیکن کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور آپ لوٹ آئے۔ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری تقریباً ایک ماہ رہی[۵۸]۔ ابن سعد کی روایت میں کچھ اہم اضافے ہیں۔ اول آپ کے سپید پرچم کے علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے اور مدینہ میں آپ کے جانشین حضرت سعد بن معاذ

آدمی۔ دوم یہ کہ مسلم لشکر دو سو صحابہ پر مشتمل تھا۔ سوم یہ کہ بواط ایک پہاڑی کا نام تھا جو قبیلہ جہینہ کا تھا اور جو رضوی پہاڑ کے نواح میں واقع تھا۔ چہارم یہ کہ بواط مدینہ سے تین برد نہیں بلکہ چار برد کے فاصلے پر تھا(59) بلاذری کی روایت ان دونوں پیشروؤں کی روایات کی تلخیص ہے(60) جبکہ یعقوبی نے اسکو ابواء کے مانند قرار دیا ہے(61)۔ اور طبری نے ایک بار پھر واقدی اور ابن سعد کی روایات کو جمع کردیا ہے(62) ابن اسحاق اور ابن ہشام کی مختصر روایات میں قریش کے ارادے سے نکلنے اور کسی مڈبھیڑ کے نہ ہونے پر مدینہ واپس آنے کا ذکر ہے(63)۔

اگرچہ اکثر مآخذ میں اس مہم کا مقصد بانشانہ کاروان قریش یا صرف قریش کو بتایا گیا ہے اور کارواں کے بارے میں بعض مآخذ میں کچھ تفصیلات بھی ہیں خاص کر پہلے غزوہ کے مقابلے میں۔ لیکن پھر بھی بعض تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کارواں کہاں سے کہاں کو جا رہا تھا؟ پھر اس بار مسلم فوج کی تعداد بعض روایات کے مطابق قریشی کارواں سے دوگنی تھی۔ موقعہ اچھا تھا۔ اور اگر کارواں نکل بھی گیا تو اس کا تعاقب آسانی سے کیا جا سکتا تھا کیونکہ مسلمان سب کے سب سوار تھے اور قریشی کارواں خاصا بڑا تھا (وہ پندرہ سو اونٹوں پر مشتمل تھا) اور ان کے ساتھ محافظ محض سو تھے اس لیے وہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر مسلمان بالکل مکہ کے قریب سے ایک کارواں پکڑ لا سکتے تھے جیسا کہ ہم سریہ نخلہ کے ضمن میں دیکھیں گے تو پھر چند منزل دور اس کارواں کو جا پکڑنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقصد نبوی کاروان قریش نہ تھا بلکہ ان کی منزل قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا جہاں وہ کسی سیاسی و سماجی مصلحت سے گئے تھے۔ جیسا کہ ابن سعد کے ایک اشارے سے معلوم ہوتا ہے(64)۔ وہ مقصد یا مصلحت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ پرانے حلیفوں اور دوستوں سے رشتۂ اتحاد مستحکم تر کیا جاتے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری کی مدت تھی۔ پہلے غزوہ میں آپ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے تھے اور اس غزوہ میں ایک ماہ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقامات مدینہ سے ایک یا دو دن کی مسافت پر واقع تھے۔ باقی مدت آپ وہاں کیوں مقیم رہے؟ ظاہر ہے کہ آپ قریشی کارواں کی واپسی کی توقع

اتنی مدت میں نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاقہ جہینہ میں آپ کا قیام کسی اور مقصد سے تھا اور غالب گمان ہے کہ یہ مقصد اس علاقے کے لوگوں سے دوستی کرنا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کا حلیف بنانا تھا۔ کاروانِ قریش پر حملہ کرنا اور اس کو لوٹنا کم از کم اس غزوہ کا مقصد تو کسی طور سے نہیں ثابت ہوتا اور اس کی تردید خود مآخذ کی داخلی شہادتوں سے ہو جاتی ہے۔

تیسرا غزوہ بدر اولیٰ اور غزوۂ سفوان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ ربیع الاول ۲ھ میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے اونٹوں پر جو جماء اور اس کے نواح میں چرتے تھے، حملہ کیا تھا۔ خبر سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حملہ آوروں کے تعاقب میں نکلے مگر وہ بچ کر نکل گئے۔[۶۶] ابن سعد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں بھی مسلم فوج کا پرچم سفید تھا اور علمبردار حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ اور مدینہ میں آپ کے نائب حضرت زید بن حارثہ تھے۔ جماء ایک پہاڑی تھی جو وادی عقیق میں جرف کی سمت میں واقع تھی اور مدینہ سے اس کا فاصلہ محض تین میل تھا۔ کرز بن جابر نے نہ صرف حملہ کیا تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے جانوروں میں سے کچھ پکڑ بھی لے گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے نواح میں واقع وادی سفوان تک اس کا تعاقب کیا تھا۔[۶۷] غالباً اسی وجہ سے بلاذری اس غزوہ کو غزوۂ سفوان کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس کا بیان واقدی اور ابن سعد کی روایتوں کی تلخیص ہے۔[۶۸] یعقوبی نے اس غزوہ کو قرقرۃ الکدر سے خلط ملط کر دیا ہے۔[۶۹] طبری کے بیان کے مطابق اضافہ ہے کہ شرکاء مہم سب کے سب مہاجر تھے لیکن ان کی تعداد کسی نے بھی نہیں بیان کی ہے۔[۷۰] ابن اسحاق اور ابن ہشام کے بیانات بھی دوسروں کی مانند ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ ان کے یہاں اس غزوہ کی تاریخ وقوع چوتھے غزوہ کے بعد جمادی الآخر ۲ھ میں اور واقعہ نخلہ سے متصلاً پہلے بتائی گئی ہے۔[۷۱] اس غزوہ کے بارے میں کسی بھی مورخ کا چاہے وہ قدیم ہو یا جدید دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کسی کاروانِ قریش کے خلاف تھا اور نہ اس کی کسی سیاسی یا فوجی اہمیت کا ذکر کرتا ہے حالانکہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ پہلی اینٹ تھی جو دشمن کی طرف سے پھینکی گئی تھی۔ صرف مونٹگمری واٹ نے اس کی اہمیت کا احساس کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے خطرات سے مستقل طور سے باخبر رہنا تھا۔ چنانچہ آپ نے کرز بن جابر کے ایک لٹیرے کے خلاف تادیبی کارروائی کی تھی اور آئندہ آپ نے اس قسم کے لٹیروں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کیا تھا۔(۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا غزوہ اور اس عہد کی ساتویں مہم غزوہ ذی العشیرہ کے نام سے موسوم ہے۔ واقدی کا خیال ہے کہ جمادی الآخر ۲ھ / دسمبر ۶۲۳ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو جانے والے قریشی کاروانوں (عیرات قریش) پر چھاپہ مارنے کے لیے منظم کیا تھا۔ مسلمان شرکاء کی تعداد ڈیڑھ سو یا دو سو تھی۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ مکہ والوں نے اپنا سارا مال (اموال) اس کارواں میں لگا دیا تھا اور پھر آپ کو شام کے لیے مکہ سے کارواں کی روانگی کی خبر ملی تھی۔ آپ بنو دینار کے راستے (نقب) سے بیوت السقیا کے لیے روانہ ہوئے۔ یہی غزوہ ذو العشیرہ تھا جس سے آپ کی غیر حاضری تقریباً ڈیڑھ دو ماہ رہی تھی۔(۳) واقدی کا بیان یہاں ختم ہو جاتا ہے اور باقی تفصیلات تشنہ رہ جاتی ہیں۔ البتہ واقدی کے شاگرد و کاتب ابن سعد نے باقی دوسری تفصیلات بہم پہنچائی ہیں۔ اس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنا جانشین حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو مقرر کرکے اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے جس کے علمبردار حضرت حمزہ تھے اور جس کا پرچم سفید تھا۔ پوری فوج کے لیے کل تیس اونٹ تھے جن پر وہ باری باری بیٹھتے تھے۔ ذو العشیرہ قبیلہ بنو مدلج کا علاقہ تھا اور وہ ینبع کے نواح میں واقع تھا۔ مدینہ سے ینبع کا فاصلہ نو برد تھا۔ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے کارواں کئی دن پہلے نکل چکا تھا۔ یہ وہی کارواں تھا جس کو آپ نے اس کی واپسی کے موقع پر بھی روکنا چاہا تھا مگر کارواں نے ساحل کے کنارے کنارے سفر کرکے اپنے کو بچا لیا تھا اور قریش مکہ کو آپ کے ارادے سے باخبر کر دیا چنانچہ انھوں نے اپنے کارواں کی حفاظت کے لیے ایک فوج بھیج دی تھی اور جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اسی غزوہ میں آپ نے حضرت علی کو نرم مٹی (البوغار) میں سوتے دیکھ کر جگایا تھا اور ابوتراب کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا اور اسی غزوہ میں آپ نے قبیلہ بنو مدلج اور بنو ضمرہ میں ان کے حلفاء سے معاہدہ کیا تھا۔ آپ کی

سے کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور آپ واپس مدینہ لوٹ آئے تھے۔[44] بلاذری مختصراً ابن سعد کی روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ مسلم فوج میں صرف ایک گھوڑا تھا اور جب مسلم فوج بنو مدلج کے علاقے سے گذری تو انھوں نے مسلمانوں کی خوب خوب مہمان نوازی کی مگر قریشی کارواں بچ کر نکل گیا۔[45] ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ اس غزوہ میں قریش کے ارادے سے نکلے تھے[46] اور ابن ہشام نے صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ مدینہ میں آپ نے ابوسلمہ کو اپنا جانشین بنایا۔[47] پھر دونوں کا بیان زیادہ تر مسلم جماعت کے سفر کی مختلف منازل اور ان میں ان کے قیام، کھانے پینے اور نماز پڑھنے یا مساجد بنانے سے متعلق ہے۔ بنو دینار کے راستے سے آپ روانہ ہوئے اور فیفا الخبار کے راستے آپ وادی بن ازہر میں داخل ہوئے جہاں آپ نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا۔ نماز پڑھی اور کھانا پکا کر کھایا اور المشترب کے چشمہ سے پانی پیا۔ پھر الخلائق کو اپنے بائیں چھوڑتے ہوئے ایک تنگ وادی سے گذرے جو آج تک وادی عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ پھر بائیں جانب کے راستے سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ وادی یلیل پہنچے اور اس حصہ میں قیام کیا جو ضبوعہ سے ملتا ہے اور اس کے کنوئیں سے پانی پیا پھر آپ ملل کے میدان سے سفر کرتے ہوئے صخیرات الیمام میں شاہراہ پر پہنچے اور سیدھے اس پر سفر کرتے ہوئے آپ وادی ینبع میں واقع مقام مقصود۔ ذوالعشیرہ۔ پہنچے۔ یہاں آپ نے پورے ماہ جمادی الاولیٰ اور دوسرے مہینے کے کچھ دنوں تک قیام کیا۔ آپ نے بنو مدلج اور ان کے بنو ضمرہ کے حلیفوں سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بغیر کسی جنگ و جدال کے مدینہ واپس آ گئے۔ اسی غزوہ میں آپ نے حضرت علی کو ابوتراب کی کنیت عطا فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں کئی روایات بیان کی ہیں۔ یعقوبی نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ ان دو بدوی عربی قبیلوں سے معاہدہ جس نے ان کے سردار مخشی بن عمر ضمری کی معرفت کیا۔[48] طبری میں مندرج روایات ابن اسحاق اور ان کے جامع اور واقدی اور ان کے کاتب کی روایات کا حسب معمول مجموعہ ہیں تاہم ان میں غزوہ کی تفصیلات سے زیادہ زور حضرت علی کی کنیت کے بارے میں روایات پر ہے۔ بلکہ ایک طرح سے طبری سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ غزوہ کس مقصد سے ہوا تھا اور اس میں کیا مسائل و مقاصد

مسلمانوں کے پیش نظر تھے[۶۹]؟

مذکورہ بالا ماخذ میں سے اکثریت غزوہ کے بیان کے شروع میں یہ کہہ کر مسلم فوج قریش کے ارادے سے نکلی تھی پھر کاروان قریش کا کوئی ذکر نہیں کرتی حتیٰ کہ واقدی نے بھی بعد میں صرف اتنا لکھا ہے کہ قریش نے اس کارواں میں اپنا سارا مال لگا دیا تھا اور وہ مسلم جماعت کے ذوالعشیرہ پہنچنے سے پہلے نکل گیا تھا۔ تفصیلات صرف ابن سعد کی روایات سے ملتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن سعد نے جس قریشی کارواں کی طرف اشارہ کیا ہے یہ وہ کارواں تھا جو ابوسفیان بن حرب اموی کی قیادت میں بدر سے کچھ پہلے شام گیا تھا اور جس کو واپسی پر مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا اور جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عظیم دمالا مال کاروان قریش کب شام کے لیے مکہ سے روانہ ہوا تھا کیونکہ واقدی نے جنگ بدر کے اسباب کے بارے میں اپنی دو روایتوں[۷۰] میں اور ابن سعد نے غزوۃ العشیرہ کے سبب و محرک پر اپنی ایک روایت میں دعویٰ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کاروانِ قریش کو اس کی آمدورفت دونوں مواقع پر روکنا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقدی اور ان کے کاتب نے صراحتاً کہا ہے کہ یہ کارواں مکہ سے جمادی الآخر میں غزوہ العشیرہ سے پہلے روانہ ہوا تھا۔ دوسری طرف ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاولیٰ کے شروع میں پیش آیا تھا۔ گویا کہ بالواسطہ طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کو اس سے اتفاق نہیں کہ غزوہ ذوالعشیرہ نے ابوسفیان کے زیر قیادت تجارتی قافلے کو شام جاتے وقت روکنا چاہا تھا۔ طبری میں مذکورہ ایک روایت جو عروہ بن زبیر نے عبدالملک بن مروان کے استفسار پر اپنے خط میں لکھی تھی، سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نخلہ کے بعد یہ کارواں قریش مکہ سے شام کے لیے روانہ ہوا تھا[۷۱] کیونکہ اس کے مطابق یہ سریہ نخلہ ہی تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکائے تھے (وکانت تلک الوقعۃ ھاجت الحرب بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین قریش واول ما اصاب بہ بعضھم بعضا من الحرب، وذلک قبل